(۴۴)

(فرمودہ ۱۲۔ مئی ۱۹۵۶ء بمقام مری)

یہ عید جس کے خطبہ کے لئے میں کھڑا ہوا ہوں عید الفطر کہلاتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مہینہ بھر کے روزے رکھنے کے بعد مسلمان اس دن افطاری کرتے ہیں۔ اس عید میں ہم کو ایک بہت بڑا سبق دیا گیا ہے جیسا کہ عید الاضحیہ جسے ہمارے ملک میں بڑی عید کہتے ہیں اس میں بھی ہمیں کئی ایک سبق دیئے گئے ہیں وہ سبق جو اس عید میں ہمیں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اصل عید وہ ہے جب انسان کو کھانے پینے کی توفیق ہو اور پھر وہ ایک لمبے عرصہ تک کھانے پینے سے گریز کرے اور مال و دولت کے ہوتے ہوئے اسے اپنی ذات پر خرچ نہ کرے بلکہ بنی نوع انسان کی خدمت کے کاموں پر خرچ کرے تب اسے اور اس کی قوم کو حقیقی عید میسّر آتی ہے۔

انگریزوں پر لوگ بڑے بڑے اعتراض کرتے ہیں لیکن ان کی تاریخ پڑھو اور ملکہ ایلزبتھ [1] سے لے کر ملکہ وکٹوریہ [2] کے زمانہ تک اور وکٹوریہ کے زمانہ سے لے کر ترک ہندوستان [3] تک ان کی قوم کو دیکھو تمہیں معلوم ہو گا کہ اس وقت انگریز جرنیل کو بھی اتنی تنخواہ نہیں ملتی تھی جتنی ہمارے لفٹنٹ کو ملتی ہے حالانکہ ان کا ملک گراں تھا۔ ان کا سارا فخر اس بات پر ہوا کرتا تھا کہ فلاں لارڈ کا لڑکا فوج میں ہے۔ وہ خود ڈیوک ہوتا تھا اور اس کی حیثیت ایسی ہی ہوتی تھی جیسے نواب بھوپال حیدر آباد کی حیثیت تھی مگر فوج میں اس کا لڑکا سو ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ لیتا تھا اور بڑا فخر سمجھا جاتا تھا کہ فلاں ڈیوک کا بیٹا ملک کی خدمت کر رہا ہے۔ ہمارے کرنیل اور جرنیل بھی یہ توفیق نہیں رکھتے کہ ان کے پاس ریس کے گھوڑے ہوں۔ مگر انگریزی زمانہ میں ان لفٹینٹوں کے پاس بھی ریس کے گھوڑے ہوا کرتے تھے۔ مجھے ایک دفعہ موٹر خریدنے کی ضرورت تھی مجھے یاد ہے ان دنوں اخبار میں فوج کے ایک انگریز لفٹنٹ کی طرف سے اشتہار چھپا کہ میرے پاس رولز رائس ہے میں چونکہ ولایت جانا چاہتا ہوں اس لئے جو شخص سب سے پہلے پچاس ہزار روپیہ دے گا اسے میں یہ کار دے دوں گا۔ اب دیکھو ایک لفٹنٹ تھا مگر وہ اعلان کر رہا تھا کہ میرے پاس "رولز رائس" ہے اور میں پچاس ہزار

روپیہ میں فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے ہاں کسی جرنیل کو بھی یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ یہ کار خرید سکے حالانکہ اس کی تنخواہ زیادہ ہوتی ہے۔ یہ فرق اس لئے ہے کہ وہ خاندانی لحاظ سے امیر ہوتے تھے اور گھر سے روپیہ منگوایا کرتے تھے۔ انگریزوں میں دو قسم کے میجر ہوا کرتے تھے ایک تو وہ جو صرف تنخواہ پر گزارہ کرتا تھا اور وہ ادنیٰ سمجھا جاتا تھا اور دوسرے کو وائسرائے تک بلاتا تھا کیونکہ اس کا باپ اسے روپیہ بھیجتا تھا۔ گورنمنٹ سے اسے دو سو یا اڑھائی سو روپیہ ملتا تھا اور باپ اسے آٹھ دس ہزار روپیہ ماہوار بھیج دیتا تھا جس کے نتیجہ میں وہ ریس کے گھوڑے بھی رکھتا تھا اور بڑی شان سے رہتا تھا۔ کئی وائسرائے ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنی لڑکیوں کی شادی فوج کے اے۔ ڈی۔ سی سے کردی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ لفٹنٹ یا کپتان ہوتا تھا بلکہ وہ اس وجہ سے شادی کر دیتے تھے کہ ان کا باپ اتنی حیثیت کا مالک ہوتا تھا کہ وہ سمجھتے تھے اس لڑکے سے شادی کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

غرض اس قوم کی ہسٹری بتاتی ہے کہ اس نے اپنے اوپر رمضان گزارا ہے۔ ان کے گھروں میں مال بھی تھا مگر انہوں نے قوم کی خدمت کے لئے اور ملک کی خدمت کے لئے فاقہ کیا۔ یہی سبق ہے جو عید الفطر سے ہمیں حاصل ہوتا ہے۔ آخر روزے صرف غرباء نہیں رکھتے بلکہ امراء بھی رکھتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو خود بھی کھا سکتے ہیں اور پچاس اور کو بھی روزانہ کھلا سکتے ہیں مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کے لئے اور قوم کی ترقی کے لئے بھوک برداشت کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ دن آتا ہے کہ خدا کہتا ہے اب روزہ کھول دو اور رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص عید کے دن روزہ رکھے وہ شیطان ہوتا ہے [۴] لیکن رمضان میں روزہ رکھنے والا فرشتہ ہوتا ہے اس لئے کہ روزوں کے دنوں میں خدا کہتا ہے کہ نہ کھاؤ اور عید کے دن خدا کہتا ہے کہ اگر تمہارے پاس کچھ نہیں ہے تب بھی کھاؤ۔ [۵] پس چونکہ وہ خدا کی فرمانبرداری اور قوم کی ترقی کے لئے فاقہ کرتا ہے اس لئے اسے خدا کی طرف سے اعزاز مل جاتا ہے۔ پس یہ عید ہمیں توجہ دلاتی ہے کہ قومیں کس طرح ترقی کیا کرتی ہیں۔ ہمارے ملک کے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ ذرا ذرا سے فائدہ کے لئے ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں حالانکہ رمضان بتاتا ہے کہ دوسروں کا کیا چھیننا ہے خود بھی فاقہ سے رہو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے بھی غرباء کی فلاح اور بہبود کے لئے خرچ کرو۔ یہ روح جس دن مسلمانوں میں پیدا ہو گئی درحقیقت وہی دن ان کے لئے حقیقی عید کا دن ہو گا

کیونکہ رمضان نے ہمیں بتایا ہے کہ تمہاری کیفیت یہ ہونی چاہئے کہ تمہارے گھر میں دولت تو ہو مگر اسے اپنے لئے خرچ نہ کرو بلکہ دوسروں کے لئے کرو[۶] تب قوم کے لئے عید کا دن آتا ہے۔ آخر عید صرف کھانے پینے کا نام نہیں۔ مسلمانوں میں ایسے ہزاروں لوگ موجود ہیں جو روزانہ وہ کچھ کھاتے ہیں جو غرباء کو عید کے دن بھی میسّر نہیں آتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے زمانہ میں تعلیمی مدارس دیکھنے کے لئے میں نے ایک دفعہ دورہ کیا۔ [۷] شاہجہانپور کے ایک پرانے بزرگ ہیں ان کے والد جو مخلص احمدی اور شہر کے رئیس تھے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا ہونے کی وجہ سے میری دعوت کی۔ میرے ساتھ سلسلہ کے علماء بھی تھے جب ہم کھانا کھانے بیٹھے تو کھانے اتنی کثرت کے ساتھ تھے اور اتنی دور تک پھیلے ہوئے تھے کہ اگر ہاتھ کو پوری طرح لمبا بھی کر لیا جاتا تب بھی کھانوں کے آخر تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میں اُس وقت بچہ تھا میں نے کہہ دیا کہ یہ اسراف ہے اس میں سے چوتھا حصہ بھی ہم نہیں کھا سکتے چاہئے تھا کہ جتنا روپیہ اس دعوت پر خرچ کیا گیا ہے اس کا زیادہ حصہ غرباء پر خرچ کر دیا جاتا اور ایک دو کھانے ہمارے لئے تیار کر لئے جاتے۔ اس پر وہ ایسے خفا ہوئے کہ جتنے دن میں وہاں رہا پھر وہ مجھے ملنے کے لئے نہیں آئے۔

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف [۸] مسلمانوں میں سب سے زیادہ امیر سمجھے جاتے تھے جب وہ فوت ہوئے تو ان کے گھر سے اڑھائی کروڑ دینار نکلا [۹] حالانکہ اس زمانہ میں سِکّہ کی قیمت بہت زیادہ ہوتی تھی اور چیزیں بڑی سستی مل جایا کرتی تھیں بلکہ وہ تو دور کا زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ سکھوں کے زمانہ میں بعض دفعہ آٹھ آٹھ آنے من غلہ مل جاتا تھا اور چار چار آنے سیر گھی مل جاتا تھا۔ پرانے زمانہ میں جب ہم کشمیر جاتے تھے تو سنا کرتے تھے کہ مری میں ڈیڑھ ڈیڑھ آنے میں مرغی مل جاتی ہے۔ ایسی جگہ اگر پندرہ روپے بھی کسی کو مل جاتے تو اس کا بڑا اچھا گزارہ ہو جاتا تھا۔ مجھے اپنی ہوش میں یاد ہے کہ دس گیارہ آنے سیر گھی مل جاتا تھا اور غریب آدمی عام طور پر ایک سیر گھی میں گزارہ کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ڈیڑھ دو روپے من آٹا مل گیا تو گزارہ ہو گیا۔ اب ہمیں روپے بے شک زیادہ ملتے ہیں مگر مہنگائی بھی اس نسبت سے بڑھ گئی ہے اور اس طرح بات وہیں آکر ٹھہری ہے جہاں پہلے تھی۔

مجھے یاد ہے کہ مولوی شیر علی صاحب [۱۰] چونکہ بیمار رہتے تھے اس لئے وہ اکثر دودھ پیا

کرتے تھے۔ میں ان کا شاگرد تھا اور مجھے ان کے مکان پر بھی جانا پڑتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ دودھ دینے والا روزانہ ان کے پاس آیا کرتا تھا مگر مہینہ کے بعد جب انہوں نے دودھ کا حساب کیا تو معلوم ہوا کہ روپیہ کا پندرہ سیر دودھ مل رہا ہے مگر اب سات آٹھ آنے سیر دودھ ملتا ہے۔ اس وقت اگر انہیں پندرہ بیس روپے بھی ملتے ہوں تو خواہ بی۔ اے ہونے کی وجہ سے یہ بھی ایک قربانی ہوگی مگر پھر بھی اُس زمانہ کے لحاظ سے ان کا گزارہ اچھا ہو جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے ابتدائی زمانہ خلافت میں مَیں اپنے گھروں میں پانچ روپیہ فی کس خرچ دیا کرتا تھا۔ اب میں اپنی بیویوں کو کہا کرتا ہوں کہ اُس زمانہ میں جو میری بیویاں تھیں وہ کتنی صابر تھیں کہ اتنی قلیل رقم میں وہ گزارہ کر لیا کرتی تھیں۔ اس پر وہ کہا کرتی ہیں کہ پہلے زمانہ کے بھاؤ کا آپ موجودہ بھاؤ سے مقابلہ کریں اور پھر دیکھیں کہ ہم کتنا خرچ کرتی ہیں۔ غرض عید الفطر ہمیں بتاتی ہے کہ اگر مسلمانوں نے ترقی کرنی ہے تو انہیں چاہئے کہ وہ اپنی دولت بجائے اپنے اوپر خرچ کرنے کے قوم اور ملک پر خرچ کیا کریں۔ جب فلسطین کا جھگڑا اٹھا ہے تو اُس وقت میری صحت اچھی تھی اور میں خوب کام کر سکتا تھا میں نے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ منہ سے فلسطین فلسطین کہنا اور عملی طور پر ان کی کوئی مدد نہ کرنا ایسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں "سو گز واروں گز بھر نہ پھاڑوں۔" کہتے ہیں کوئی عورت تھی وہ بڑی جتاتی تھی کہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار ہوں مگر گز بھر کپڑا بھی دینے کیلئے تیار نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح میں نے کہا تم بھی فلسطین فلسطین کے نعرے لگاتے ہو مگر تمہیں اتنی توفیق نہیں ملتی کہ تم عملی رنگ میں بھی کوئی کام کر سکو حالانکہ رسول کریم ﷺ کے مزار کے قریب دشمن آ چکا ہے۔ اگر اور کچھ نہیں تو تم اپنی جائدادوں کا پانچ فی صدی ہی اس کام کے لئے وقف کر دو۔ مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ کی حالانکہ اگر وہ اپنی جائدادوں کا صرف پانچ فی صدی ہی وقف کر دیتے تو کئی ارب روپیہ مصر اور شام کو دیا جا سکتا تھا اور دوسرے ممالک سے انہیں مدد مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ پاکستان میں اِس وقت کئی کروڑ کی آبادی ہے اور اگر مسلمانوں کی جائیدادوں کا حساب لگایا جائے تو میرے نزدیک ساٹھ ستّر ارب سے کم کی نہیں ہوں گی۔ پس پانچ فیصدی کے لحاظ سے تین ارب روپیہ یا ایک ارب ڈالر بن جاتا ہے اور اگر ایک ارب ڈالر مصر اور شام کو دے دیا جاتا تو وہ اس سے اپنی طاقت میں بہت کچھ اضافہ کر لیتے مگر اُس وقت انہوں نے میری بات کو نہ سنا اور عربوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم صرف "سَو گز واروں" کہنا جانتے ہیں مگر عملی رنگ میں کوئی کام

کرنے کے لئے تیار نہیں۔ پس ہمیں اس عید سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور کم سے کم اور اگر اور کچھ نہیں تو ہمیں اپنے دل میں یہ عہد کرلینا چاہئے جو کچھ خدا ہمیں دے گا ہم اسے اپنے نفسوں پر کم خرچ کریں گے اور اپنے ملک اور قوم پر اور غرباء پر زیادہ خرچ کریں گے۔ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا واقعہ سنا رہا تھا کہ اڑھائی کروڑ دینار ان کے گھر سے نکلے مگر تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے گھر کا روزانہ خرچ صرف اڑھائی درہم تھا۔ [۱۲] اب کُجا اڑھائی کروڑ دینار کی جائیداد اور کُجا اڑھائی درہم خرچ۔ آج کل کے حساب سے درہم ساڑھے تین آنے کا ہے لیکن اُس زمانہ میں چونکہ سکہ کی قیمت زیادہ تھی اس لئے ایک درہم کے لحاظ سے ان کا ماہوار خرچ اگر دس روپیہ بھی قرار دو تب بھی پچیس روپے خرچ ہوا۔ گویا ۲۵ کروڑ کی جائیداد ان کے پاس تھی اور پچیس روپیہ مہینہ ان کے سارے گھر کا خرچ تھا مگر اب یہ حال ہے کہ ۲۵ روپیہ آمدن ہوتی ہے تو ساٹھ روپیہ خرچ ہوتا ہے اور دوسرے تیسرے مہینے شور مچ جاتا ہے کہ اتنا قرض ہو گیا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں مجھے ایک عیسائی کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ کہتا ہے مجھے چار سو روپیہ عیسائی دیتے ہیں اگر آپ مجھے چار سو روپیہ دینے کے لئے تیار ہوں تو میں ابھی مسلمان ہونے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے کہا ایسے لوگ تو ہمیں لاکھوں مل سکتے ہیں بلکہ چار سو کیا پونے چار چار سو پر بھی لاکھوں لوگ اکٹھے کئے جا سکتے ہیں۔ ہمیں تو ان لوگوں کی ضرورت ہے جو محض خدا کی خاطر اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہوں ورنہ اگر ہم روپیہ دے کر لوگوں کو لانا چاہیں تو لاکھوں لوگ آنے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ حافظ روشن علی صاحب مرحوم [۱۳] سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں امرتسر گیا بازار سے گذر رہا تھا کہ ایک مُلّا ٹائپ آدمی ہاتھ میں بیس پچیس روٹیاں اٹھائے ہوئے میرے پاس سے گذرا اور اس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے کہا میں آپ کو نہیں جانتا کہنے لگا آپ نہیں جانتے لیکن میں جانتا ہوں۔ مَیں مولوی ثناء اللہ صاحب کی مسجد کا امام ہوں۔ میں نے کہا پھر آپ نے مجھ سے مصافحہ کیوں کیا ہے؟ کہنے لگا اس لئے کہ میں دل سے احمدی ہوں۔ میں نے کہا تمہیں وہاں کوئی دقّت تو پیش نہیں آتی۔ کہنے لگا کوئی دقّت نہیں میں ہی ان کو نماز پڑھاتا ہوں اور وہ میرے لئے روٹی کا انتظام کر دیتے ہیں۔ اگر میں اپنے آپ کو ظاہر کردوں تو پھر یہ روٹیاں آپ کو دینی پڑیں گی اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہی بہتر ہے میں ادھر مولوی ثناء اللہ صاحب [۱۴] اور ان کے ساتھیوں کو نمازیں پڑھا دیتا ہوں اور ادھر روٹیاں بھی ان سے لے لیتا ہوں۔ غرض روپیہ دے کر تو کئی لوگوں کو اکٹھا کیا جا

سکتا ہے مگروہ لوگ نہ اسلام کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ قوم اور ملک کے لئے ان کا وجود مفید ہو سکتا ہے۔ مذہب اور قوم اور ملک کے لئے وہی لوگ مفید ہوتے ہیں جو ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ رہنے والے ہوں۔ پس اس موقع پر ہمیں کم سے کم یہ عزم کر لینا چاہئے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہئے کہ عید الفطر میں جو سبق مخفی ہے وہ ہمیں حاصل ہو اور ہماری دولتیں ہمارے لئے نہ ہوں بلکہ قوم اور ملک کے لئے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر پاکستان کے پچیس فیصدی مسلمان ہی یہ عہد کر لیں تو حقیقی عید انہیں میسر آ سکتی ہے۔ پھر نہ اسرائیل کا جھگڑا رہ سکتا ہے اور نہ کوئی اور مشکل انہیں پریشان کر سکتی ہیں مگر مصیبت یہی ہے کہ مسلمان صرف نعرے لگانا جانتے ہیں کام کرنا نہیں جانتے۔ دو تین سال ہوئے امریکہ نے شکاگو یونیورسٹی کے چانسلر کو ایشیا میں یہ پتہ لگانے کے لئے بھجوایا کہ ان ممالک میں کمیونزم کے پھیلنے کے کس قدر امکانات ہیں۔ وہ مجھے بھی ملنے کے لئے آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ تمہیں کیا پتہ لگا؟ کہنے لگا مجھے اطمینان ہو گیا ہے کہ پاکستان میں کمیونزم نہیں پھیل سکتا۔ میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگا اس لئے کہ اسلام کمیونزم کے خلاف ہے میں نے کہا یہ تو درست ہے مگر تم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ کسی بڑے مولوی کو اگر ایک ہزار روپیہ بھی دے دیا جائے اور وہ آگے دوسروں میں دس دس روپے بھی تقسیم کر دے اور ان سے کہا جائے کہ وہ کمیونزم کی تائید میں تقریریں کریں تو وہ اس امر پر بھی تقریریں کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ سارا قرآن کمیونزم سے بھرا ہوا ہے۔ اور پھر وہ یہ نعرے بھی لگوا دیں گے کہ اسلام زندہ باد۔ کمیونزم زندہ باد کہنے لگا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ میں تو بڑا خوش تھا کہ یہاں کمیونزم کسی صورت میں بھی نہیں پھیل سکتا۔ میں نے کہا اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا تمام مدار صرف نعروں پر ہے عملی لحاظ سے وہ اپنے اندر کوئی تغیر پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور جب تک سلو گنز پر کوئی قوم انحصار رکھتی ہے وہ جیت نہیں سکتی۔ وہ باہر اسلام زندہ باد کے نعرے لگائیں گے اور گھر میں آکر شراب پینے اور کنچنیاں نچوانے میں بھی کوئی عار نہیں سمجھیں گے۔

۱۹۵۳ء میں جب فسادات ہوئے ۵۳ تو ایک احمدی جو پچھتر سال کی عمر کا تھا لوگوں نے اس پر حملہ کر دیا اور کہا کہ توبہ کرو اس نے کہا اچھا میری توبہ اور لوگ خوش خوش واپس چلے گئے۔ وہاں کے ملّاں نے یہ بات سنی تو اس نے لوگوں سے کہا اس نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ تم اس سے جا کر کہو کہ وہ ہمارے پیچھے آکر نماز پڑھے۔ چنانچہ وہ پھر اس کے پاس آئے اور کہنے

لگے تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ ملّاں نے ہمیں سمجھا دیا ہے کہ جب تک تم ہمارے پیچھے آکر نماز نہ پڑھو تمہاری توبہ پر ہم کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔ وہ کہنے لگا اگر توبہ کے بعد بھی نمازیں ہی پڑھنی ہیں تو یہ توبہ تو مرزا صاحب علیہ السلام بھی بڑی کرایا کرتے تھے۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ اب جان بچی۔ ساری عمر یہ مصیبت رہی کہ مرزا صاحب کہتے رہے نہ سینما دیکھو' نہ کنچنیوں کا ناچ دیکھو' نہ شراب پیو' نہ جوا کھیلو۔ اسی طرح وہ کہتے تھے کہ نمازیں پڑھو' روزے رکھو میں نے تو شکر کیا تھا کہ ان چیزوں سے نجات ملی اب سینما دیکھیں گے' کنچنیاں نچوائیں گے' شرابیں پیئیں گے اور خوب عیش کریں گے تم نے تو پھر کہنا شروع کر دیا ہے کہ نماز پڑھو اگر نماز ہی پڑھنی تھی تو یہ نماز تو مرزا صاحب بھی پڑھوایا کرتے تھے۔ اس پر وہ شور مچاتے ہوئے واپس چلے گئے کہ مرزائی بڑے شرارتی ہوتے ہیں۔ پس اپنے اندر حقیقی ایمان پیدا کرو۔ اگر تم اپنے اندر سچا ایمان پیدا کر لو اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی اس رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کرو تو صرف تم کو ہی نہیں بلکہ تمہاری نسلوں کو بھی عید الفطر نصیب ہوگی۔ اور جب تم بھی اسلام پر قائم ہو جاؤ گے اور تمہاری نسلیں بھی ایمان کے اعلیٰ مقام پر قائم ہو جائیں گی اور باقی مسلمان بھی اسلام پر عمل کرنا اپنا دستور بنالیں گے تو اسلامی کانسٹی ٹیوشن خود بخود قائم ہو جائے گی لیکن اگر مسلمان اسلام پر عمل نہ کریں' وہ نمازیں نہ پڑھیں' وہ روزے نہ رکھیں' وہ حج نہ کریں' وہ زکوٰۃ نہ دیں' وہ ہر قسم کی مناہی کا ارتکاب کریں اور ساتھ ہی اسلامی کانسٹی ٹیوشن کا بھی شور مچاتے چلے جائیں تو یہ ایک بے معنی بات ہوگی۔

جب پاکستان کا قیام ہوا تو میں نے کوئٹہ میں ایک تقریر کرتے ہوئے ۱۷ مسلمانوں سے یہی کہا تھا کہ تم اسلامی کانسٹی ٹیوشن کا شور مچانے کی بجائے یہ سوچو کہ تمہارے اندر اسلام پر کہاں تک عمل پایا جاتا ہے۔ اگر تم اسلام پر عمل نہیں کرتے تو تمہاری مثال اُن اینٹوں کی سی ہے جو کچی ہیں اور کچی اینٹوں سے بنا ہوا مکان کبھی پکا نہیں ہو سکتا وہ بہرحال کچا ہی ہوگا کیونکہ اینٹیں کچی ہوں گی۔ جس طرح کچی اینٹوں سے بنا ہوا مکان پکا نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر افراد کا عمل اسلام پر نہ ہو تو ان کا مجموعہ بھی غیر اسلامی ہوگا لیکن اگر افراد پکے مسلمان بن جائیں اور وہی اسمبلی میں جائیں تو ان کے ذریعہ جو کانسٹی ٹیوشن بنے گی اُسے اَن اسلامک قرار نہیں دیا جا سکے گا کیونکہ پکے مسلمان اس کے ممبر ہونگے۔ پس سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے اندر تغیر پیدا کریں اور اسلامی احکام پر عمل کریں مگر اُس وقت میری بات کو نہ سنا گیا اب

وہی بات کہی جا رہی ہے اور اخبارات میں بھی اس کے متعلق لکھا جاتا ہے۔ پس اپنے اندر نیک عزائم پیدا کرو اور پھر دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پکا مسلمان بنائے اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہمارا اٹھنا بیٹھنا' سونا اور جاگنا بلکہ ہماری زندگی اور ہماری موت اسلام کے لئے ہو[18] اور ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت کے لئے صرف نعرے نہ لگائیں بلکہ حقیقی قربانی کریں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیا تھا اُسی طرح خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم بھی اپنے بیٹوں اور اپنی جانوں کو اس کی راہ میں قربان کر دیا کریں۔ جس دن ہم میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے گا ہماری ترقی کو نہ امریکہ روک سکتا ہے' نہ انگلستان روک سکتا ہے' نہ کوئی اور ملک روک سکتا ہے پھر ہماری عید ہی عید ہو گی اور خوشی کے دن کے سوا اور دن ہمارے لئے نہیں ہو گا۔

اب میں دعا کروں گا دوست بھی دعا کریں نہ صرف اپنے لئے بلکہ ساری جماعت کے لئے۔ ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کریں۔ پھر ہمارا فرض ہے کہ جماعت کی اصلاح کریں۔ پھر ہمارا فرض ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کی اصلاح کریں اور پھر ہمارا فرض ہے کہ ہم پاکستان کے باہر کے مسلمانوں کی اصلاح کریں اور پھر ساری دنیا کی اصلاح کریں مگر ایک انسان کی اصلاح بھی کسی انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ ہم اپنے خدا کے حضور گڑگڑائیں اور اس سے دعائیں کریں کہ الٰہی! دل تیرے قبضہ میں ہیں تُو ہی لوگوں کے دلوں کی اصلاح فرما اور انہیں اسلام کی طرف کھینچ۔

میں جب انگلستان اپنے علاج کے لئے گیا[19] تو عید کی تقریب پر ڈسمنڈ شا[20] بھی آیا۔ جب میں واپس گھر کی طرف آیا اور اندر داخل ہونے لگا تو مجھے اپنے پیچھے کی طرف سے آہٹ آئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ڈسمنڈ شا آ رہا تھا۔ میں نے کہا تم تو رخصت ہو گئے تھے۔ کہنے لگا میرے دل میں ایک سوال پیدا ہوا تھا میں نے چاہا کہ آپ سے پوچھ لوں۔ میں نے کہا پوچھو کیا سوال ہے۔ کہنے لگا جب میں یہ تقریر کرتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے امن پسند نبی ہیں تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ میری زبان سے خدا بول رہا ہے مگر لوگوں پر اثر نہیں ہوتا۔ میں نے کہا ڈسمنڈ شا! خدا جب بولتا ہے تو دل میں بولتا ہے اور تم لوگوں کے کان میں بولتے ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ جس دن خدا لوگوں کے دلوں میں بھی بولا ان پر بھی اثر ہو جائے گا۔ وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا

معلوم ہوتا ہے بات یہی ہے۔ میں نے کہا تم انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو کہ جب تم بولا کرو تو خدا تعالیٰ صرف تمہاری زبان سے نہ بولے بلکہ لوگوں کے دلوں میں بھی بولے جس دن وہ لوگوں کے دلوں میں بولنے لگے گا لمبی چوڑی تقریروں کی ضرورت ہی نہیں رہے گی سارا یورپ تمہاری بات ماننے لگ جائے گا۔ پس دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی بولے اور پھر سارے پاکستان اور پاکستان سے باہر جس قدر غیر مسلم ہیں ان کے دلوں میں بھی بولے تا کہ وہ بھی رسول کریم ﷺ پر درود بھیجنے لگ جائیں۔ جب یہ ہو جائے گا تو ہماری مشکلات دور ہو جائیں گی اور مبلغین کی کوفت بھی جاتی رہے گی اب تو وہ دس دس سال میں کسی ایک کو شکار کر کے لاتے ہیں۔ مگر پھر وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا [11] کا نظارہ نظر آنے لگے گا اور ہزاروں ہزار لوگ اسلام میں داخل ہونے لگ جائیں گے۔ مگر یہ دن لانا خدا کے اختیار میں ہے ہمارے اختیار میں نہیں۔ ہم لوگوں کے کانوں میں بولتے ہیں اس لئے وہ کورے کے کورے رہتے ہیں۔ ہم اپنا گلا بھی پھاڑتے ہیں مگر وہ کپڑے جھاڑ کر چلے جاتے ہیں۔ جب خدا ان کے دلوں میں بولے گا تو اس کی آواز کانوں پر نہیں بلکہ دل پر پڑے گی اور دل کو کوئی جھاڑ نہیں سکتا اس لئے وہ ہمیشہ ان کے اندر رہے گی۔

(الفضل ۱۸۔ اپریل ۱۹۵۸ء)

---

۱ ۱۵۳۳ء۔ ۱۶۰۳ء

۲ ۱۸۱۹ء۔ ۱۹۰۱ء

۳ ۱۴، ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء

۴

۵ صحیح بخاری کتاب العیدین باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج۔ صحیح بخاری کتاب الصوم باب صوم یوم الفطر

۶ البقرۃ: ۱۷۸، الذّٰریٰت: ۲۰

۷ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۵۰

۸ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ بنو زہرہ۔ ۵۷۹ء۔ ۶۵۲ء عہد عثمانیؓ میں وفات پائی۔

۹ سیر الصحابہ حصہ اول صفحہ ۱۲۰

۱۰ حضرت مولوی شیر علی صاحب (۱۸۷۵ء۔ ۱۹۴۷ء) مترجم قرآن کریم انگریزی و ایڈیٹر

تفسیر القرآن انگریزی

لله حضور نے یہ تحریک اپنے مضمون **الکفر ملة واحدة** (الفضل ۲۱۔ مئی ۱۹۴۸ء) میں فرمائی۔ اور مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ وہ اپنی جائیدادوں کا ایک فیصد فلسطین کے لئے پیش کریں نیز فرمایا۔ "آج ریزولیوشن سے کام نہیں ہو سکتا آج قربانیوں سے کام ہو گا" معلوم ہوتا ہے کہ اس خطبہ میں اپنی ۱۹۴۸ء کی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے شاید غلطی سے حضور نے ایک فیصد کے بجائے پانچ فیصد حصہ جائیداد برائے فلسطین کا ذکر کر دیا ہے۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ انہی دنوں حضور نے پانچ فیصد حصہ جائیداد پیش کرنے کی بھی تحریک فرمائی ہو جس کی رپورٹ اخبارات میں شائع نہ ہو سکی۔ (**واللہ اعلم بالصواب**)

لله

لله حضرت حافظ روشن علی صاحب ۱۸۸۲ء۔ ۱۹۲۹ء

لله مولوی ثناء اللہ صاحب مشہور معاندِ احمدیت۔ امیر اہل حدیث ۱۹۴۸ء

لله ۱۹۵۳ء میں جماعت احمدیہ کے خلاف شورش کی طرف اشارہ ہے۔

لله حضرت مسیح موعود علیہ السلام مراد ہیں۔

لله تقریر فرمودہ ۱۴۔ جون ۱۹۴۸ء بمقام پارک ہاؤس۔ کوئٹہ مطبوعہ الفضل ۲۱۔ جون ۱۹۴۸ء

لله **الانعام:۱۶۳**

لله ۱۹۵۴ء میں عبدالحمید نامی مخالف احمدیت نے حضرت خلیفة المسیح الثانی پر جب آپ نماز عصر پڑھا کر مسجد مبارک ربوہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے پیچھے سے چاقو کا حملہ کیا تھا جس سے گردن پر گہرا زخم لگا تھا جس کی وجہ سے حضور کو عرصہ تک تکلیف رہی اسی سلسلہ میں ۱۹۵۵ء میں حضور علاج کی غرض سے انگلستان تشریف لے گئے تھے۔

لله اصل نام شاڈ سمنڈ ۱۹۶۰ء آئرش ناول نویس۔ مصنف۔ مقرر

لله **النصر:۳**